حق کی دعوت، بنیادی ذمہ داری

مفتی منیب الرحمٰن ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاتم الانبیا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قرآنِ کریم میں 'خیر الامم' یعنی سب سے بہترین امت اور 'اُمَّتِ وَسَط' کا لقب عطا فرمایا ہے۔ 'وَسَط' کے معنی ہیں: ''(عقیدہ وعمل میں)اعتدال اور توازن پر قائم رہنے والا، جو غُلُوّ اور افراط وتفریط سے پاک ہو۔ مفسّرین کرام نے 'وَسَط' کا ایک معنی بہترین اور افضل امت بتایا ہے۔ اس اعتبار سے 'خیر الامم' اور 'وَسَطُ الامم' ہم معنی کلمات ہیں۔

قرآنِ کریم نے جہاں اس امت کو 'خیر الامم' کے اعزاز سے نوازا ہے، وہاں اس کے فرائض بھی بیان فرمائے ہیں، ارشاد فرمایا: ''جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں، تم ان میں سب سے بہترین امت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، (اٰل عمران ۳:۱۱۰)''۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ ختم فرمادیا، دین کی تکمیل اور اتمامِ نعمت کا اعلان فرمایا اور آپؐ کو سلسلۂ نبوت ورسالت کا آخری تاج دار بنایا۔ آپؐ سے پہلے یکے بعد دیگرے انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے اور راہِ راست سے بھٹکی ہوئی اپنی امتوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ درمیان میں انقطاعِ نبوت کے اَدوار بھی آئے۔ ان اَدوار میں انبیائے کرامؑ کی تعلیمات بھلادی گئیں، اُن میں تحریف کردی گئی یا انھیں مسخ کردیا گیا، تو دین وشریعت کو اپنی اصل شکل پر بحال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ بھیجے۔

○ رئیس دارالافتاء جامعہ نعیمیہ، کراچی

مگر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی اور رسول کے آنے کا امکان ختم کر دیا گیا، اس لیے تجدید واِحیاء اور ابلاغِ دین کی ذمے داری کو آپؐ کی امت کی طرف منتقل فرما دیا۔

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تمام حاضرین سے اس بات کا اقرار لیا کہ آپؐ نے دین کو بکمال وتمام امت تک پہنچا دیا ہے۔ پھر یہ فریضہ امت کو منتقل کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: (۱) ''جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ دین کے اس پیغام کو اُن تک پہنچا دیں جو یہاں پر موجود نہیں ہیں، (بخاری: ۱۰۴)''، (۲) ''مجھ سے تم نے جو امانتِ دین حاصل کی ہے، اُسے دوسروں تک پہنچا دو، خواہ ایک آیت ہی ہو، (صحیح البخاری: ۳۴۶۱)''۔

اسلام نے دعوتِ حق کا فریضہ بحیثیتِ مجموعی امتِ مسلمہ کو فرضِ کفایہ کے طور پر تفویض کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے، جو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، یہی لوگ کامیاب ہیں، (اٰل عمران ۳: ۱۰۴)''۔ فرضِ کفایہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر ایک جماعت دعوتِ حق کے اس فریضے کے لیے اُٹھ کھڑی ہو تو باقی لوگ بری الذمہ ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے دائرۂ کار واختیار کی حد تک جواب دہ رہے گا۔ حدیث پاک میں ہے:

- ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کی طرف سے جواب دہ ہے۔ سربراہِ حکومت نگہبان ہے، اُس سے پوری رعیّت کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور ایک شخص اپنے خاندان کا نگہبان ہے اور اُس سے اُن کی بابت پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اُس سے اس کی بابت سوال ہوگا، ملازم اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اُس کی بابت سوال ہوگا، اور میرا گمان ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''اور جو شخص اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے، اُس سے اس کی بابت سوال ہوگا، (الغرض) ہر ایک کسی نہ کسی درجے میں نگہبان ہے اور اُس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا، (صحیح البخاری: کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، حدیث: ۸۹۳)''۔
- ''جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اُسے اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی

زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو دل میں اُسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے، (صحیح مسلم: ۹۵)''۔

اس حدیث کی شرح میں علمائے کرام نے کہا ہے: ''برائی کو طاقت سے روکنا ہر عہد کے حکمرانوں کی (درجہ بدرجہ) ذمے داری ہے۔ برائی کے خلاف زبان وقلم سے صدائے احتجاج بلند کرنا اہلِ علم کی ذمے داری ہے اور اگر کوئی اس کی بھی استطاعت نہ رکھے تو برائی کو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔ حدیث پاک میں اسے 'اَضْعَفُ الْاِیْمَان' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس پر بعض حضرات سوال اٹھاتے ہیں: ''جب کوئی شخص نہ طاقت سے برائی کو روکنے کی قدرت رکھتا ہے، نہ زبان سے صدائے احتجاج بلند کرسکتا ہے، تو اس میں اس کا کیا قصور ہے کہ اُس کے ایمان کا درجہ کمزور ترین بتایا گیا ہے، جب کہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی بات کے لیے جواب دہ نہیں بناتا، (البقرہ ۲:۲۸۶)''۔

اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے: ''اس میں مختلف حالات کی طرف اشارہ ہے: کبھی حالات دعوتِ حق کے لیے سازگار ہوتے ہیں اور برائی کو ہاتھ سے روکا جاسکتا ہے۔ کبھی ایسے ہوتے ہیں کہ برائی کو ہاتھ سے تو نہیں روکا جاسکتا، لیکن زبان وقلم سے صدائے احتجاج بلند کی جاسکتی ہے، اور کبھی دین کے لیے حالات اتنے مشکل ہوجاتے ہیں کہ برائی کو نہ ہاتھ سے روکا جاسکتا ہے اور نہ زبان سے صدائے احتجاج بلند کی جاسکتی ہے، تو ایسے حالات میں لوگ اس بات کے مکلّف ہوں گے کہ دل سے برائی سے نفرت کریں اور اپنا دامن برائی سے بچائے رکھیں۔ ایسے حالات کو اَضْعَفُ الْاِیْمَان سے تعبیر کیا گیا ہے، الغرض یہ تین درجے (اقویٰ، اوسط اور اضعف) تین قسم کے حالات سے متعلق ہیں اور انسان اپنے حسبِ حال ہی دین کے لیے کردار ادا کرنے کا پابند ہے۔ حالات کسی کو اَضْعَفُ الْاِیْمَان کے درجے کو پہنچا دیں تو اس میں اس کا ذاتی قصور کوئی نہیں ہے''۔

کلمۂ حق بلند کرنے کی قدرت کے باوجود لاتعلق رہنے والوں کے لیے، خواہ وہ اپنی ذات میں پارسا ہی کیوں نہ ہوں، حدیث پاک میں وعید آئی ہے:

''حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت جبریلؑ کو حکم فرماتا ہے: ''فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو''۔ جبریل امینؑ عرض

کرتے ہیں: ''پروردگار! اس بستی میں تیرا فلاں (انتہائی متقی) بندہ ہے، جس نے کبھی پلک جھپکنے کی مقدار بھی تیری نافرمانی نہیں کی (اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟)''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اُس سمیت اِس بستی کو الٹ دو، کیونکہ میری ذات کی خاطر اس کا چہرہ کبھی بھی غضب ناک نہیں ہوا (شعب الایمان: ۷۱۸۹)''۔

حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سامنے دینِ اسلام کی حدود پامال ہوتی رہیں، مُنکرات کا چلن عام رہا، لیکن ان برائیوں کو روکنے کی عملی تدبیر تو دور کی بات ہے، حدودِ الٰہی اور دینی اقدار کی پامالی پر کبھی اس کی جبین پر شکن بھی نہیں آئی۔ وہ صرف اپنی عبادت اور ذکر و اذکار میں مشغول رہا، اپنے حال میں مست رہا، برائیوں کو مٹانے اور معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے ایک مسلمان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو ادا کرنے سے قطعی طور پر غافل اور لاتعلق رہا۔

الغرض 'تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو' کے فلسفے کی شریعت میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔ ہر ایک حسبِ استطاعت اور حسبِ حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کا پابند ہے، حدیث پاک میں ہے:

ابواُمیّہ شعبانی بیان کرتے ہیں، میں ابوثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے اُن سے کہا: ''اس آیت کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟'' انھوں نے کہا: ''کون سی آیت؟''، میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے مومنو! اپنی فکر کرو، اگر تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گی (المائدہ ۵:۱۰۵)''، [دراصل، سائل کو شبہہ تھا کہ امت کی ذمہ داری تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، ہمیں تو پوری انسانیت کو بچانے کی تدبیر کرنا ہے اور آیت کا ظاہری مفہوم یہ پیغام دے رہا ہے: ''تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو'']۔ انھوں نے جواب دیا: ''میں نے اس کی بابت سب سے زیادہ باخبر شخصیت، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ ایسا وقت آجائے کہ تم دیکھو کہ بخیل کا حکم مانا جارہا ہے، خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جارہی ہے، دنیا کو دین پر ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھ رہا ہے۔ (تو یہ مشکل وقت ہے، پس ایسے وقت میں) اپنے دین کو بچانے کی فکر کرو اور عوام کو اُن کے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ اب

تمھارے پیچھے اتنے مشکل دن ہیں کہ گویا آگ کی چنگاری کو مٹھی میں لینا۔ ایسے ایام میں جو خیر پر قائم رہے گا، اُسے پچاس افراد کے برابر اجر ملے گا جو تم جیسا کام کریں۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں، ایک روایت میں ہے: عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ہمارے پچاس افراد کے برابر یا اُس دور کے پچاس افراد کے برابر (اجر ملے گا)، آپؐ نے فرمایا: تمھارے پچاس افراد کے برابر، (سنن ترمذی: ۳۰۵۸)''۔

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ممکن ہو، دعوتِ حق کے فریضے کو ادا کرتے رہنا چاہیے، سوائے اس کے کہ ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ دعوتِ حق کا فریضہ ادا کرنا عملاً ناممکن یا مشکل ترین ہوجائے۔ پس، ایسے حالات میں اپنے دین کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے، کیونکہ جب حالات بندے کے بس سے باہر ہوجائیں تو اُس سے اُن کے بارے میں جواب طلبی نہیں ہوگی۔

دعوتِ حق کی تاثیر میں داعی کی اپنی بے عملی اور دوغلا پن، یعنی قول وفعل کا تضاد بھی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو، حالانکہ تم کتابِ (الٰہی) کی تلاوت کرتے ہو، تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو، (البقرہ ۲:۴۴)''۔

نیز فرمایا: ''اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو خود نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے، (الصف ۶۱:۲-۳)''۔

احادیثِ مبارکہ میں ہے:

- ''حضرت اسامہؓ بن زید بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا، پس اُس کی آنتیں آگ میں نکل رہی ہوں گی اور جس طرح کولہو کا گدھا چکی کے گرد چکر کاٹ رہا ہوتا ہے، وہ اپنی آنتوں سمیت جہنم کی آگ میں چکر کاٹ رہا ہوگا۔ پس جہنمی لوگ وہاں جمع ہوں گے اور کہیں گے: اے فلاں صاحب! آپ اس انجام سے کیسے دوچار ہوئے، آپ تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے؟ وہ کہے گا: (بے شک) میں تمھیں نیکی کا حکم دیتا تھا، لیکن خود اُس نیک عمل سے عاری رہتا تھا اور میں تمھیں برائی سے روکتا تھا، لیکن خود اس برائی میں مبتلا رہتا تھا، (اس بنا پر میں

اس انجام سے دوچار ہوا)، (صحیح البخاری: ۳۲۶۷)''۔

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عام شرعی ضابطہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عملِ (بد) کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، تاوقتیکہ وہ اپنے درمیان برائی کو (پھیلتا) دیکھیں اور وہ اس کو روکنے پر قدرت کے باوجود نہ روکیں، سو جب وہ یہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کی بدکاریوں کی سزا عام لوگوں کو بھی دے گا، (شرح السنہ للبغوی: ۴۱۵۵)''۔ کیونکہ انھوں نے قدرت کے باوجود 'نہی عن المنکر' کا فریضہ ادا نہیں کیا۔

● اسی ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے: ''معراج کی رات مجھے (تمثیل کے طور پر) کچھ لوگ دکھائے گئے جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا تھا۔ میں نے پوچھا: جبریلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کی اُمت کے خطبا ہیں، جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ وہ کتابِ (الٰہی) کی تلاوت کرتے ہیں تو کیا وہ جانتے نہیں ہیں (کہ ان احکام کے پابند وہ بھی ہیں)، (شرح السنہ للبغوی: ۴۱۵۹)''۔

اہلِ کتاب کے علماء میں قول وفعل کے تضاد کی خرابی رچ بس گئی تھی، جسے قرآنِ کریم نے مندرجہ بالا آیات میں بیان فرمایا ہے، بلکہ اُن کی خرابی اس سے بھی کئی درجے بڑھ کر تھی۔ حدیث پاک میں ہے:

● ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں پہلے پہل خرابی نے اس طرح نفوذ کیا کہ جب ایک شخص دوسرے کو برائی میں مبتلا دیکھتا تو کہتا: کیا کر رہے ہو، اللہ سے ڈرو، یہ کرتوت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے جائز نہیں ہے۔ پھر اگلے دن ملتا تو اسے اُس کام سے نہ روکتا بلکہ اس کا ہم نوالہ وہم پیالہ اور ہم نشین بن جاتا۔ پھر جب اُن کے کرتوت اسی طرح ہوتے چلے گئے، تو (اس کے وبال کے طور پر) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ دیا۔ پھر آپؐ نے المائدہ کی آیات [۷۸ تا ۸۰] تلاوت کرکے فرمایا: ''ہرگز نہیں! تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے اور تم ضرور ظلم کا راستہ روکو گے اور لوگوں کو حق قبول کرنے پر مجبور کرو گے، (ابوداؤد: ۴۳۳۶)''۔

سورۃ المائدہ کی مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ یہ ہے: ''بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے

کفر کیا، اُن پر داوٗدؑ اور عیسٰیؑ ابنِ مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ جو بُرا کام کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے، یقیناً وہ بہت بُرے کام کرتے تھے، (المائدہ۵:۷۸-۷۹)''۔

● حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ضرور پچھلی امتوں کے طریقوں کی (بعینہٖ) پیروی کروگے، بالشت برابر اور ہاتھ برابر، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے، تو تُم بھی ان کی پیروی کروگے۔ ہم نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ کی مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اور کون؟، (بخاری: ۷۳۲۰)''۔

ایسا نہیں کہ بلاامتیاز تمام اہلِ کتاب کو ملامت کیا گیا ہو، اُن میں سے اچھے لوگوں کا قرآنِ کریم میں استثنا بھی فرمایا گیا ہے، ارشاد ہوا: ''سب اہلِ کتاب برابر نہیں، اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر قائم ہیں۔ وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں۔ یہ نیک لوگوں میں سے ہیں، (آل عمران ۳:۱۱۴)''۔ ظاہر ہے کہ یہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ کتاب کا بیان ہے۔

قرآنِ کریم میں مسلمانوں کا شعار یہ بیان کیا گیا ہے: ''مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہی ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا غالب اور عظیم حکمت والا ہے، (التوبہ۹:۷۱)''۔ جہاں دعوتِ حق میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے والے اہلِ ایمان کی تعریف کی گئی ہے، وہاں حدیث پاک میں اس فریضے سے لاتعلق رہنے والوں کے بارے میں شدید وعید بھی آئی ہے:

● حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جن لوگوں کی قوم میں اللہ کی نافرمانی ہورہی ہو اور وہ اس کو تبدیل کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود تبدیل نہ کریں تو موت سے پہلے اللہ انھیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا، (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۹)''۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے لاتعلق رہنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر دعوتِ حق کے فریضے سے وہ اسی طرح غافل رہے اور قوم کی بداعمالیوں کا نتیجہ کسی وبال کی صورت میں نازل ہوا، تو وہ بھی اس سے بچ نہیں سکیں گے، حدیث پاک میں ہے:

● حضرت نعمانؓ بن بشیر بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ کی حدود میں (بااثر لوگوں کے بارے میں) بے جا نرمی برتتا ہے اور جو اس میں مبتلا ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں کی مثال کشتی میں سوار اُس قوم کی سی ہے، جنھوں نے قرعہ اندازی کی، کچھ کشتی کی نچلی منزل میں چلے گئے اور کچھ اوپر والی منزل، یعنی عرشے پر چلے گئے۔ پس جو لوگ کشتی کے نچلے حصّے میں تھے، وہ پانی لینے کے لیے کشتی کے اوپر والے حصّے کے لوگوں کے پاس سے گزرتے تھے جو انھیں ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ (اُن کے رویّے سے تنگ آکر) اُن میں سے کوئی کلہاڑی لے کر کشتی کے نچلے حصّے میں سوراخ کرنے لگا۔ پس اوپر والے اس کے پاس آئے اور پوچھا: یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: تم کو مجھ سے تکلیف پہنچتی ہے اور مجھے پانی لینے کی ضرورت ہے۔ پس اگر اوپر والے اس کے ہاتھ پکڑ لیں تو وہ اس کو بھی اور اپنے آپ کو بھی (دریا میں ڈوبنے سے) بچا لیں گے اور اگر انھوں نے اس کو (اس کے حال پر) چھوڑ دیا تو (نہی عن المنکر سے لاتعلقی کے باعث) وہ اُس کو بھی ہلاکت میں ڈالیں گے اور خود کو بھی ہلاک کر دیں گے، (صحیح البخاری: ۲۶۸۶)''۔

ہمارے ہاں تقسیمِ کار کر دی گئی ہے۔ حق کی دعوت دینے والوں کا ایک طبقہ وہ ہے، جنھوں نے اپنے لیے آسان راستہ چنا ہے کہ عبادات کی ترغیب دے کر انفرادی اصلاح کا فریضہ انجام دیا جائے اور خلافِ شرع نظام کو چیلنج نہ کیا جائے۔ یہ نظام چلانے والوں کے لیے بھی قابلِ قبول ہے۔ یہ کام غیر مسلم ممالک میں بھی ہو رہا ہے اور معاشرے کے بااثر طبقات ایسے لوگوں کی تحسین کرتے ہیں کہ یہ کسی سے اُلجھتے نہیں ہیں، نظام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے، بس بے ضرر انداز میں دعوتِ حق کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، لہٰذا حسّاس اداروں میں بھی ان کے لیے گنجایش رکھی جاتی ہے۔

دراصل مشکل کام 'نہی عن المنکر' یعنی برائی سے روکنے کا ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا: ''بے شک اللہ عدل واحسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور تمھیں بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو، (النحل ۱۶:۹۰)''۔

برائی سے روکنا حکمران ، بالا دست، مرفّہ الحال اور عیش پرست طبقات کو براہِ راست چیلنج کرنا ہے، جو انھیں ہرگز پسند نہیں ہے اور اسی لیے اس کی مزاحمت کی جاتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جب اپنے زمانے میں تشریف لائے تو اُن کی دعوتِ حق میں بھی سدِّ راہ یہی طبقات بنے، جو حالات کو جوں کے توں رکھنے کے علَم بردار تھے۔ قرآن کریم نے انھیں 'مُتْرَفِیْن' سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد وہ آسودہ حال طبقات ہیں جو اپنی راحتوں اور عشرتوں سے دست بردار ہونے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتے اور آخری حد تک مزاحمت کرتے ہیں۔ ہر دور میں ان کی روش یہی رہی ہے۔ اس لیے دعوتِ حق کا یہ شعبہ نہایت مشکل ہے۔ یہ عزیمت کا تقاضا کرتا ہے اور اہلِ عزیمت ہر دور میں کم رہے ہیں۔ مگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے روشنی لینے اور آپؐ سے وابستگی کا دعویٰ کرنے کا تقاضا یہی ہے کہ دعوتِ حق پر عمل کیا جائے، دعوتِ حق کو پھیلایا جائے، اور منکرات کو روکنے کے لیے اپنی صلاحیت، قوت اور مواقع کے مطابق ذمہ داری ادا کی جائے۔